© rasailojaraid.com

مولانا عبدالحمید جھنگوی

تحریر: ابو الوفاء محمد رمضان

جانباز سلفی فیصل آباد

ابو محمد عبدالوہاب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے ہزاروں تشنگان قرآن و سنت سیراب ہو کر اپنے اپنے علاقہ و ممالک میں توحید و سنت کے پرچار اور خدمت دین میں مصروف عمل رہے کہ جنہوں نے لاتعداد مصائب و تکالیف اٹھانے کے باوجود حق بیان کرنے میں کوئی خوف اور ڈر محسوس نہ کیا۔ ایسے ہی صدق و صفا اور صبرو استقامت کے پیکر لوگوں میں ایک نام "مولانا عبدالحمید جھنگوی" کا ہے۔ جنہیں اپنے علاقہ میں توحید و سنت کی اشاعت کے سبب گاؤں کے گنوار او رجاہل لوگوں سے بڑے مصائب اور دکھ اٹھانا پڑے۔ علاوہ ازیں انہوں نے جن مشکل اور ناسازگار حالات میں کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی او راس دوران ان کو جن حالات و واقعات سے سامنا ہوا وہ واقعات ہمارے لئے مثال ہیں۔ ہم اس مضمون میں مولانا عبدالحمید جھنگوی" کے "حالات زندگی" ان کے فاضل تلمیذ رشید اور "صحیفہ اہلحدیث" کے معروف مضمون نگار مولانا محمد صدیق اعظمی" مرحوم متوفی ۲۱ جون ۱۹۹۰ء کی کتاب "تذکرہ عبدالحمید" سے استفادہ کرتے ہوئے بیان کریں گے۔

مولانا عبدالحمید جھنگوی" تقریباً ۱۸۷۵ء میں اپنے گاؤں بدھو آنہ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ اس دور میں یہ علاقہ پسماندہ اور جہالتوں کا مرکز تھا۔ یہاں کے رؤساء زمیندار اپنی روائتی ناعاقبت اندیشی اور غفلت شعاری کا ہمیشہ شکار رہے۔ یہ لوگ نہ صرف دین اسلام کی تعلیم سے ناآشنا تھے۔ بلکہ دنیاوی ماحول نے ان کو بالکل ہی بے بہرہ اور تنگ ظرف بھی بنا دیا تھا۔ اس گاؤں کے لوگ بھی اپنے جاہل وڈیروں کی طرح اسلامی تعلیم سے کورے اور بے پرواہ تھے۔ ان لوگوں پر مفاد پرست ملاؤں' دین فروش پیروں اور مکار صوفیوں کا تسلط تھا۔ یہ لوگ خرافات و بدعات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ قبر پرستی' پیر پرستی' شیطانی میلے' مشرکانہ حرکات و سکنات اور جھوٹی کراماتیں ان کے نزدیک دین اسلام تھا۔ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ بھانڈ اور میراثیوں کے حیا سوز نغموں کو عین دین حق سمجھتے تھے۔ قرآن و حدیث کی مقدس تعلیم سے ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا۔ دین و ایمان کی اگر کچھ جھلک تھی تو وہ مولانا عبدالحمید بھنگوی" کے گھر میں تھی۔ آپ کے والد مولانا سلطان محمود رحمتہ اللہ علیہ اگرچہ قرآن و حدیث کے عالم نہ تھے۔ البتہ اردو اور فارسی سے ضرور آشنا تھے۔ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے اس گاؤں میں مولانا عبدالحمید" کی تعلیم و تربیت کا معاملہ مشکل نہیں تو صبر آزما ضرور تھا۔ پھر راہ حق میں ان کا باسعادت اور بامراد ہونا' اللہ کی خاص رحمت اور فضل تھا۔

آپ نے اپنے گاؤں میں پرائمری اچھے نمبروں سے پاس کر کے شہر شور کوٹ کے "مثل سکول" میں داخلہ لیا۔ جو گاؤں سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ دوران تعلیم آپ بورڈنگ میں قیام رکھتے۔ اسی عرصہ میں آپ کو مولانا احمد حسن شورکوٹی علیہ الرحمتہ جو اپنے دور کے عالم باعمل تھے۔ ان سے شرف ملاقات کا موقع ملا۔ اس ایک ہی ملاقات نے آپ کے دل و دماغ میں روحانی انقلاب بپا کر دیا۔ ایک دن آپ عصر کی نماز پڑھنے کیلئے مولانا احمد حسن" کی مسجد میں حاضر ہوئے تو مولانا احمد حسن" نے آپ کی ذہانت و فطانت اور قابلیت کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ بیٹا! عارضی زندگی کیلئے انتظام اور کوششوں کا اسقدر اہتمام ہے مگر ابدی و اصلی ذمہ داریوں کا کوئی احساس نہیں کہ جس سے دونوں جہاں سنورتے ہیں۔ اس پراثر گفتگو اور بات کا مولانا عبدالحمید" پر اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم کا وہیں فیصلہ کر لیا۔ دن کو سکول میں پڑھتے اور رات کو اپنے مشفق استاد سے دینی تعلیم حاصل کرتے۔ یہیں سے جذبہ دین کی تڑپ ان میں جنون کی سی کیفیت اختیار کر گئی۔ اور آخر پھر آپ گلشن دین کے ہی ہو کر رہ گئے۔ سکول سے بستہ و سامان اٹھا کر استاد مکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن و حدیث کے جواہرات دامن میں سمیٹنے لگے۔ ابھی چار ماہ کا عرصہ ہی ہوا تھا کہ آپ کے والد محترم کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ تو یہ دیکھ کر سراپہ حیرت بن گئے کہ ان کے منصوبہ پر تو پانی پھر گیا۔ جبکہ مولانا عبدالحمید" اس وقت قرآن مجید کے چند پارے ترجمہ کے ساتھ اور کچھ ابتدائی کتابیں عربی قواعد کے مشکوۃ شریف کا کچھ حصہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھ چکے تھے۔ ابھی دل کی حسرتیں پوری نہ ہوئی تھیں کہ آپ کے والد صاحب انہیں اس ریاض مکتب سے اٹھا کر گھر واپس لے آئے اور ان کو کسی دنیاوی کام میں لگانے کے متعلق غور کرنے لگے۔ ابھی والدین آپ کو کسی کام میں لگانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ آپ ایک رات اچانک گھر سے غائب ہو گئے۔ والد صاحب سمجھے کہ صاحبزادہ شائد کہیں آس پاس کے علاقہ میں چلا گیا ہو' مگر جادۂ حق کا یہ شہباز لاابالی پرواز سے لبریز ہو کر ملتان شہر میں مولانا عبدالتواب رحمتہ اللہ علیہ ملتانی جو اس وقت ان دیار و دور میں کتاب و سنت کی ضیاء افشانی میں مصروف عمل تھے' کی خدمت میں جا حاضر ہوئے۔ اس دشوار گزار سفر میں موجودہ زمانے کی سہولتوں کا تصور بھی نہ تھا۔ مولانا عبدالحمید" جب کبھی اس پر صعوبت اور اذیت ناک سفر کی داستان درد سناتے تو سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ آپ راستہ بھول جانے کے سبب کئی روز پاپیادہ جنگلوں اور صحراؤں میں سرگرداں پھرتے رہے۔ بھوک اور پیاس نے انہیں نڈھال کر دیا اور پاؤں آبلہ پا ہو گئے۔ مگر راہ حق کا یہ طالب ہمیشہ ان مصائب و شدائد کو اپنے لئے متاع عزیز سمجھتا تھا۔ بقول شاعر

محبت صادق ہو تو ایسے بھی مقام آتے ہیں

مولانا عبدالحمید" کی گمشدگی سے آپ کے والدین بڑے غمگین و پریشان ہوئے۔ بالآخر بڑی تلاش کے بعد ملتان میں آپ کو جا لیا اور پھر حیلوں بہانوں سے انہیں گھر لایا گیا۔ آپ کے دینی تعلیم حاصل کرنے کے شوق کو دبانے اور ختم کرنے کی خاطر آپ کی شادی کر دی گئی تاکہ آپ راہ حق سے باز رہیں۔ یہ بھی ایک المیہ ہے کہ جب بھی کوئی نوجوان اللہ کی راہ میں نکلتا ہے تو اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحمید" میں کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرنے کا جو جذبہ اور شوق جاگزیں ہو چکا تھا وہ کسی صورت میں بھی ختم ہونے والا نہ تھا۔ اس لئے کہ جو چیز دل کی انتہاہ گہرائیوں میں پیوست ہو جائے اسے دل سے نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا مولانا ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے اس جذبہ کو محو نہ کر سکے۔ شاعر نے ایسے ہی طالب صدق کے لئے کہا تھا کہ

ہزار شمس و قمر بجھ گئے پر یہ نہ بجھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ کس دیئے سے پتنگوں کے من میں آگ لگی

مولانا عبدالحمید" فرمایا کرتے تھے کہ کچھ عرصہ تو ان پابندیوں کا جال میرے لئے تشویش کا باعث بنا مگر قدرت کار ساز نے کمال مہربانی سے اس قید سلاسل کو میری پرواز حق کیلئے موجب توانائی بنا دیا۔

ابھی شادی کا لباس بھی میلا نہ ہوا تھا کہ دل بے قرار میں پھر دینی تعلیم کی تکمیل کا جوش نہایت بیتابی سے ابھرا۔ جو مسلسل بڑھتا گیا اور حقوق کی ذمہ داری کا بار گراں سوہان روح بن گیا۔ بالآخر رفیقہ حیات سے اپنے سوز بھرے درد کا قصہ جذبہ دین سے سرشار ہو کر نہایت ہی موثر انداز میں کہہ ڈالا اور ساتھ ہی اس نیک مقصد کیلئے تعاون کا ذکر بھی بے کیف انداز محبت میں کیا۔ رفیقہ حیات بالکل دیہاتی لڑکی تھی مگر بڑی نیک سیرت پاک باز اور شرافت کا پتلا' اللہ نے اسے بڑا صبر و حوصلہ اور بردباری عطا فرمائی تھی۔ قرون اولیٰ کی خواتین اسلام کی طرح مجاہدہ اور اسلام پر قربان ہونے والی تھیں۔ چنانچہ اس نیک سیرت عورت نے اپنے خاوند کی راہ حق میں تعاون و ایثار کی وہ مثال قائم کی جس کی نظیر دور ماضی اور حال میں بہت کم ملتی ہے۔ اس مجاہدہ نے صرف اجازت دینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ نقدی پونجی اور عروسی زیورات تک سامان سفر کی گٹھڑی میں باندھ دیئے۔ پروگرام اس طرح بنا کہ مولانا عبدالحمید جھنگوی" دہلی جا کر دینی تعلیم حاصل کریں اور جب تک اکتساب فیض مکمل نہ کرلیں اس راز کو منکشف نہ کیا جائے۔ لہٰذا مولانا عبدالحمید" صاحب رات کو گھر والوں کی خیر و عافیت کی دعائیں کرتے ہوئے نکلے اور گاؤں کے قریبی ریلوے اسٹیشن سے گاڑی میں سوار ہو کر سیدھے دہلی چلے گئے۔ صبح والد صاحب نے صاحبزادے کو غائب پا کر اپنی بہو سے پوچھا تو اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ بڑے میاں پریشان ہو گئے۔ خیال تھا کہ صاحبزادہ کسی قریبی گاؤں میں چلا گیا ہو گا۔ لیکن یہ تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ صاحبزادہ پنجاب کی حد عبور کر کے دہلی جا چکا ہے۔ جو اس زمانے میں ایسے دیہاتی شخص کیلئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ بڑے میاں نے پنجاب کا کونہ کونہ چھان مارا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر ایک سال کی مدت کے بعد بذریعہ ڈاک پوسٹ کارڈ ملا جس پر واپسی پتہ تو درج نہ تھا البتہ اپنی خیریت اور شغل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم کا ذکر تھا۔

اس سے والد صاحب کو اتنی تسکین ہو گئی کہ بیٹا خیریت سے ہے اور علم دین حاصل کر رہا ہے۔ دور حاضر کے طلباء کیلئے مولانا عبدالحمید" جھنگوی کے یہ حالات ایک مثال ہیں۔ آج کل کے طلباء تو ہر طرح کی سہولتوں، آسائشوں اور خاطر خواہ انتظامات کے باوجود پڑھائی سے جی چراتے ہیں۔ اس سے گھر والوں کی خون پسینے کی کمائی کا زیاں ہوتا ہے۔ اساتذہ کی محنت بے ضرر ہو کر رہ جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ طالب علم جس مقصد کیلئے پڑھ رہا ہوتا ہے وہ اس کی اپنی پڑھائی سے عدم توجہ اور غفلت سے اسکو حاصل نہیں ہو پاتا جبکہ ادھر دیکھئے کہ مولانا عبدالحمید" کو دینی تعلیم کی تکمیل میں کتنے مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا جس دور میں دہلی گئے تو اس وقت دہلی میں مسلک حقہ کا سب سے بڑا دینی سرچشمہ سیٹھ حمید اللہ رحمتہ اللہ کا مدرسہ تھا۔ جس میں امام اہل سنت مولانا عبدالوہاب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ شیخ الحدیث تھے۔ یہ بھی قدرت کا ایک عجوبہ تھا کہ حضرت استاد کا مولد بھی ضلع جھنگ ہی تھا۔ چنانچہ علم دین کی تکمیل میں اس جگہ جہاں علم و عمل میں تلمیذ رشید کی محنت شاقہ کا عمل دخل ہے وہاں اس محسن استاذ کے شفقت بھرے اخلاص کی آمیزش بھی کام کر گئی۔ مولانا عبدالحمید" کو امام عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں تعلیم کے بھرپور مواقع میسر آئے۔ آپ نے کبھی قیام و طعام کی ناہمواریوں کو محسوس نہ کیا۔ مصائب ومشکلات کے تھپیڑوں سے کبھی نہ گھبرائے اور اگر کئی کئی روز فاقہ کشی میں گزارنے پڑے تو صبر و استقامت سے گزارے اور تمام تر توجہ تعلیم حاصل کرنے پر مرکوز رکھی۔ ذہن میں ہر لحہ یہی احساس غالب رہا کہ جس طرح ہو دامن قرآن و حدیث کے جواہرات سے لبریز ہو جائے۔ گھر کی حالت زار سامنے تھی اس لئے ایک لحہ بھی ضائع کئے بغیر علم و عمل کی دولت سمیٹنے میں مگن رہے۔ بالآخر پانچ سال کے بعد ایمان و ایقان کی شمع سے منور اور اپنے مشفق استاد اور مجاہد مہتمم حمید اللہ" کی معیت میں حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہو کر جھنگ کی ویران وادیوں میں جہاں دور دور تک جہالت و ظلم کا اندھیرا تھا۔ نیر تاباں بن کر نمودار ہوئے۔ یہ دن والدین اور گاؤں کے لوگوں کیلئے بڑی خوشی اور شادمانی کا دن تھا۔ اس

© rasailojaraid.com

سے سارے گاؤں میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ والدین کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے۔ براوری اور خاندان کے لوگ علیحدہ خوش تھے اور بیوی اپنی جگہ شاداں و فرحاں تھی اور حق بات تو یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر لائق تحسین اور باعث آفریں یہی نیک فطرت پاکباز خاتون تھیں جس کی فداکاری و قربانی کے باعث مولانا صاحب کو حصول تعلیم میں آسانی ہوئی اور آج وہ عالم و فاضل بن کر لوٹے تھے۔ حقیقتاً مولانا صاحب کی بیوی بڑی پارسا و پاکدامن خاتون تھیں۔ دارالحدیث حمیدیہ کے تمام علماء و طلباء جو اس وقت تھے یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ محترمہ اماں جان کتنی جی دار اور طلباء کی غم خوار تھیں۔ بلاشبہ مولانا عبدالحمیدؒ صاحب طلباء کے روحانی باپ تھے لیکن دیکھنے والوں نے یہ بے کیف منظر کئی بار اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اماں صاحبہ کے اپنے بچے بھوکے رہ جاتے مگر "مہمان مصطفیٰ" کو کھانا پکا کر پہلے کھلاتیں۔ اپنا بیٹا عبدالمجید فرش پر لٹا دیتیں مگر مجال ہے جو کبھی کوئی غریب الدیار طالب علم زمین پر سویا ہو۔ اپنے ہاتھوں چکی پیس رہی ہوتیں اور زبان پر قرآن کی تلاوت جاری ہوتی۔ اپنی صلبی اولاد بہت کم تھی صرف ایک لخت جگر مولانا عبدالمجید اور ایک ہی بیٹی تھی۔ مگر اپنے ریاض قلب کے پھولوں سے زیادہ احساس قرآن و حدیث کے متوالوں کا تھا۔

قیاس کن زگلستان من بہار من

مولانا عبدالحمیدؒ صاحب کے ابتلاء کی داستان بھی بڑی دردناک ہے۔ جس طرح اہل حق کے ساتھ ہوتا آیا ہے کہ وہ کٹھن مراحل و آزمائشات سے گزر کر درجہ عزیمت پر فائز ہوتے ہیں۔ اسی طرح مولانا صاحب کو بھی ان مشکل اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا۔ چنانچہ مولانا پر کبھی زبان طعن دراز کی گئی تو کبھی ناطقہ بند کر دیا گیا اور کئی بار آپ قاتلانہ حملوں کی زد میں آئے۔ لیکن حق کے ساتھ ہمیشہ غالب رہے۔ علاقہ چونکہ جہالت و ظلمت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، گناہ کی زندگی کو قابل فخر سمجھا جاتا تھا، جاہلانہ و باطلانہ رسومات و افعال کو دین حق کا مقام حاصل تھا، ایسے میں قرآن و حدیث کی تعلیم پیش کرنا بڑی جرات و بہادری کا کام تھا جسے مولانا عبدالحمیدؒ نے بڑی خوش اسلوبی اور جرات و بیباکی کے ساتھ پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا۔ اس سے پورا علاقہ آپ کا مخالف بن گیا۔ چند روز بیشتر جن گھروں اور محلوں میں آپ کی عزت و توقیر کے چرچے ہوتے تھے آج وہاں آپ کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا۔ کئی انجان مولانا صاحب کو دیکھ کر تعجب سے پوچھتے کہ "آپ تو نہایت خوبصورت اور خوش خلق انسان ہیں، جبکہ ہم نے سنا ہے کہ آپ وہابی ہیں۔" اس پر مولانا لوگوں کو اچھے طریقے سے سمجھاتے اور ساتھ ہی توحید و سنت کی دعوت بھی پیش کرتے جو کہ قلب سلیم رکھنے والوں پر ازحد اثرانداز ہوتی۔ گاؤں کے لوگوں نے جب دیکھا کہ اب برسوں سے قائم ہمارے کذب و باطل کا بت پاش پاش ہو جائے گا تو انہوں نے مولانا کے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا۔ جس کے ذریعے آپ کی معیشت تنگ کرنے کی کوشش کی گئی۔ حتیٰ کہ آپ کے والد گرامی مولانا سلطان محمود رحمتہ اللہ علیہ جو اس گاؤں کے واحد مسلم مولوی تھے۔ اور سیپ پر کام کرتے تھے، لوگوں نے ان کی مزدوری سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہنے لگے اس کا لڑکا "وہابی" اور "منکر رسول ؐ" ہوگیا ہے۔ پھر گاؤں کے سردار مولانا سلطان محمودؒ کے پاس آئے اور کہنے لگے تمہارا لڑکا "وہابی" ہوگیا ہے اور تم نے اب تک اسے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ لہٰذا اسے گھر سے نکال دو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ہم تمہیں مسجد کیا امامت و خطابت سے جواب دیتے ہیں اور تمہارا ہر طرح سے بائیکاٹ کرتے ہیں۔ مولانا سلطان محمودؒ نے ان کو چار روز کے بعد کوئی جواب دینے کا کہا۔ اس عرصہ میں باپ بیٹے میں گھر پر اکثر جھگڑا رہتا۔ والد صاحب کا نقطہ نظر "معاشی مسئلہ" تھا کہ اگر یہ لوگ ناراض ہوگئے تو ہمارا اقتصادی شیرازہ بکھ کر رہ جائے گا لیکن فرزند ارجمند کا جواب تھا کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہے اور ایسی حرام روزی سے بھوکا مرجانا بہتر ہے کہ جس کیلئے حق سے منہ موڑا جائے۔ آخری روز کی بحث کے بعد نیک فطرت باپ نے بیٹے کے روشن دلائل کے سامنے سرخم کرلیا اور صدق دل سے مسلک قرآن و حدیث کو قبول کرلیا۔

حسب وعدہ جب چوتھے روز مولانا سلطان محمودؒ نے گاؤں کے سرداروں کو برملا جواب دیا کہ میں نے اپنے بیٹے کی دعوت پر قرآن و حدیث پر عمل شروع کر دیا ہے لہٰذا میں اپنے حق پرست بیٹے کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ اس جواب پر پورے علاقہ میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھرانے پر غیظ و غضب کا طوفان اور زوروں سے شروع ہو گیا۔ ان کے خلاف غنڈہ گردی حد انتہا کو پہنچ گئی اور "سنت طائف" کئی بار دہرائی گئی۔ لیکن حق و صداقت کے یہ علمبردار راہ حق سے منحرف نہ ہوئے، بلکہ پہلے سے بڑھ کر حق کی آواز کو بلند کیا۔ گاؤں کے نام نہاد "مسلمانوں" نے جب ہر طرح سے اس خانوادہ سے معاشی مقاطعہ کر لیا اور ہر طرح کے تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا تاکہ آپ مجبور ہو کر ان کے سامنے جھک جائیں تو گاؤں کے ایک "ہندو" زمیندار نے اپنے کھیت سے گندم کے پانچ اونٹ لدوا کر آپ کے گھر بھیج دیے اور یہ بھی کہا کہ "اگرچہ ہمیں تمہارے مذہب سے کوئی سروکار نہیں پھر بھی ہم یہ بات پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ مولانا عبدالحمید کے پاس سچائی کا نور ہے۔"

اصول فطرت کے مطابق جہاں باغ ہوں وہاں عندلیبوں کے غول پہنچ ہی جاتے ہیں۔ چنانچہ مولانا صاحب نے بھی جب گاؤں میں درس قرآن و حدیث شروع کیا تو قرب و جوار کے علاقہ سے اور کچھ اس مقامی بستی سے نیک بخت لوگ خدمت میں آ حاضر ہوئے۔ جس سے روحانی بہار کے جھونکے محسوس ہونے لگے۔ انہی دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے قافلہ حق کے مسافر بغیر کسی رکاوٹ کے راہ حق پر گامزن ہو گئے۔ مولانا محمد صدیق اعظمی بھنگوی" رقمطراز ہیں کہ میرے دادا مراد خاں ایک دن اپنے کھیت سے آ رہے تھے کہ اسی راستے پر چند اوباش لوگوں نے مولانا صاحب کو گھیر رکھا تھا اور لایعنی بکواس کر رہے تھے، دادا جی کو دیکھ کر کہ خاں صاحب ہمارے طرفدار ہیں ان اوباشوں نے آپ کے خلاف دریدہ دہنی کا سلسلہ اور زیادہ کر دیا جبکہ مولانا صاحب معزز اور شریف لوگوں کی طرح خاموش ہو گئے۔ دادا جان نے اس وقت سکوت فرمایا مگر جب گھر آئے تو اس ٹولہ (گروہ) کے سرغنہ کو ڈیرے پر بلا کر اس کی اچھی طرح مرمت کر دی اور ساتھ ہی اعلان بھی کر دیا کہ آئندہ جو کمینہ خصلت مولانا عبدالحمید" کے خلاف زبان درازی کرے گا یا دست درازی سے کام لے گا اس کی زبان کھینچ لوں گا۔ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ مراد خاں وہابی ہو گیا ہے اور اس پر وہابیوں کا جادو چل گیا ہے۔ تو گاؤں والے ایک بہت بڑے پیر شیرازی کو لائے کہ مرشد اپنی "کرنی" سے مراد خان کو ٹھیک کر دے گا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وہابی مولوی کو گاؤں سے دربدر بھی کر دے گا۔ دادا جی نے اسی وقت مولانا صاحب کو اپنی حویلی بلا کر اعلان کر دیا کہ آج پیر صاحب سے مولانا صاحب کا مناظرہ ہوگا۔ اس میں جو بھی کامیاب ہوا اس کا مسلک قبول کر لیا جائے گا۔ پیر صاحب کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ جلال میں آگئے اور کہنے لگے "مراد خان اتنا بگڑ چکا ہے کہ اس کے ساتھ کلام و سلام بھی حرام ہے۔ لب میں جاتا ہوں چند دنوں تک لوگ دیکھ لیں گے کہ یہ لوگ کس طرح میرے قدموں پر آکر ناک رگڑیں گے۔ پیر صاحب کے فرار کے بعد دادا جان نے اپنے گھر میں مولانا عبدالحمید" کا وعظ کروایا۔ جس کے اثر سے تمام اہل خانہ کے افراد اور اکثر سامعین نے مسلک حق کو قبول کر لیا۔ اس مبارک تبدیلی سے علاقہ میں دین کی صحیح راہ واضح ہوئی۔ جو لوگ طنزیہ الفاظ میں آوازے کستے تھے وہ ہوش میں آگئے۔ اسی وقت سے اس گاؤں میں مسلک اہلحدیث کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔ پھر ہمارے محلے میں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر ہوئی اور اس کے طویل و عریض صحن میں "دارالحدیث حمیدیہ" کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں مقامی و بیرونی طلباء قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرتے۔"

پھر وہ وقت بھی آیا جب بدھو آنہ تو کیا گرد و نواح کے لوگ بھی توحید و سنت کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے قافلہ حق سے آملے۔ جس کے سبب آج ضلع جھنگ کی نواحی بستیوں میں "اہلحدیث" کثرت سے موجود ہیں۔

مولانا عبدالحمید" صاحب سید شہید" کی تحریک جہاد سے بھی منسلک رہے اور مجاہدین کیلئے سامان اور رقوم جمع کر کے باقاعدہ بھیجتے رہے۔ مولانا صاحب کو خاندان غزنویہ سے بھی بڑی عقیدت تھی ایک بار آپ مولانا عبدالجبار غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں امرتسر حاضر بھی ہوئے اور کئی روز وہاں قیام پذیر رہے۔

مولانا عبدالحمید" بڑے متقی اور پرہیز گار عالم باعمل انسان تھے۔ نماز پڑھتے وقت اس کی محویت میں مدہوش ہو جاتے۔ اس کے علاوہ تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے آخری عمر میں تو قرآن مجید کے حفظ کی سعادت بھی حاصل کر لی تھی۔ نماز فجر کے بعد درس قرآن دیتے اور کئی بار باترجمہ قرآن ختم کیا۔ آپ کا اخلاق بھی مثالی تھا۔ طب کا شغل پیشہ کے طور پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے تھے لیکن اس سے اپنے معمولات عبادت میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیتے۔ مولانا صاحب پر اللہ کا ہمیشہ احسان رہا کہ آپ کبھی کسی ہولناک مرض میں مبتلا نہ ہوئے، آپ کی صحت ہمیشہ قابل رشک رہی۔ زندگی کے آخری ایام میں نمونیہ کے مرض میں مبتلا ہوئے اور چند دن بیمار رہ کر خالق کائنات سے جا ملے۔ آپ نے ۱۲ رجب ۱۹۷۴ء بروز سوموار آٹھ بجے صبح انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کے جنازے میں ضلع جھنگ کے دور دراز کے علاقہ سے لوگ شریک ہوئے اور آپ کے تلامذہ اور اعزہ و اقارب نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی۔ آپ کا جنازہ آپ کے جانشین مولانا عبدالحلیم شاہ صاحب نے پڑھایا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بقیہ مشکوٰۃ

احادیث کی تخریج و تنقیح بھی کی ہے اور مکتبہ ضیاء السنہ فیصل آباد نے شائع کی ہے۔

۱۷۔ شرح اردو مشکوٰۃ المصابیح از مولانا محمد الیاس اثری:

مولانا محمد الیاس اثری جامعہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ میں حدیث کے استاد ہیں۔ یہ شرح زیر تصنیف ہے۔ اس کا تقریباً چوتھائی حصہ لکھا جا چکا ہے۔ عربی عبارت کے ساتھ اردو ترجمہ ہے اور نیچے حدیث کی تشریح و تفصیل ہے۔

بقیہ باب الفتاویٰ

۲۔ حضرت رفاعہ کی روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور چھینک آنے پر یہ الفاظ کہے "الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ویرضی" آپ نے اس کی تحسین فرمائی۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۱)

© rasailojaraid.com